نہیں ہوتی۔ نہ آج کے حکمراں اور مجالسِ قانون ساز کے ارکان خلفائے راشدین اور ان کی مجلسِ شوریٰ سے کوئی نسبت رکھتے ہیں، نہ آج کے جج اُس وقت کے قاضیوں جیسے ہیں، اور نہ اِس دور کی قانون سازی اُن حدود کی پابند ہے جن کی پابندی اُس دور میں کی جاتی تھی۔ اس لیے اب آخر اس کے سوا کیا چارہ ہے کہ ہم اپنے دستوری ضابطے اس وقت کے حالات کو سامنے رکھ کر تجویز کریں اور خلافتِ راشدہ کی نظیروں پر عمل شروع کرنے سے پہلے وہ حالات پیدا کرنے کی فکر کریں جن سے وہ نظیریں عملاً تعلق رکھتی تھیں۔ موجودہ حالات میں جہاں تک شرعی معاملات کا تعلق ہے، آخری فیصلہ نہ انتظامیہ پر چھوڑا جا سکتا ہے، نہ مقننہ پر، نہ عدلیہ پر اور نہ مشاورتی کونسل پر۔ ان میں سے کوئی بھی اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ مسلمان شرعی امور میں اس پر کامل اعتماد کر سکیں۔ شریعت کو مسخ کرنے والے اجتہادات سے امن میسر آنے کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ مسلمانوں کی رائے عام کو بیدار کیا جائے اور قوم بحیثیتِ مجموعی اس قسم کے ہر اجتہاد کی مزاحمت کے لیے تیار ہو۔ رہے عام دستوری مسائل، جن میں شریعت کوئی منفی یا مثبت احکام نہیں دیتی، ان میں مقننہ کو آخری فیصلہ کن اختیارات دے دینا بحالاتِ موجودہ خطرے سے خالی نہیں ہے۔ اس کے لیے ایک غیر جانبدار ادارہ ایسا موجود ہونا چاہیے جو یہ دیکھ سکے کہ مقننہ نے کوئی قانون بنانے میں دستور کے حدود سے تجاوز تو نہیں کیا ہے۔ اور ایسا ادارہ ظاہر ہے کہ عدلیہ ہی ہو سکتا ہے۔

سحری کے اوقات اور ڈاڑھی کی مقدار کا مسئلہ

سوال۔ آج کل بعض حضرات نے مولانا مودودی کے خلاف الزامات تراشی کا جو محاذ قائم کر رکھا ہے اس نے بعض سنجیدہ حضرات کو بھی شکوک و شبہات میں ڈال دیا ہے۔ مولانا کی بعض تحریروں کے خلاف اعتراضات وارد کیے جا رہے ہیں، اس لیے ان

تحریروں کی توضیح ضروری ہے۔ ان وضاحت طلب تحریروں میں سے ایک وہ ہے جس میں قرآن و حدیث کی رو سے سحری کے اوقات بیان کیے گئے ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ رمضان میں کھانے پینے کے اوقات کس وقت ختم ہوتے ہیں۔ اسے قطعی طور پر قرآن و حدیث کے منشا کے خلاف بتایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ مولانا نے ایک حدیث سے اذان کے بعد بھی کچھ کھا پی لینے کا جواز نکالا ہے، لیکن شاہ ولی اللہؒ نے اس سے حضرت بلالؓ کی اذان مراد لی ہے جو صبح کو نہیں بلکہ رات ہی کو ہوتی تھی۔

مولانا مودودی کے خلاف ایک مزید اعتراض یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنی تحریروں میں مشت بھر سے کم ڈاڑھی رکھنے کو جائز قرار دیا ہے حالانکہ درمختار میں ہے کہ ایک مٹھی سے کم کو کسی نے جائز نہیں کہا (لم یبحہ احد) یہ گویا اجماع ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنے والا فاسق ہے۔ براہِ کرم واضح کریں کہ مولانا مودودی کے قول کے حق میں کوئی سند موجود ہے یا نہیں؟

جواب معترضین کا پہلا اعتراض تفہیم القرآن جلد اول، ص ۱۴۶ کی اس عبارت پر ہے:

"آج کل لوگ سحری اور افطار کے معاملے میں شدتِ احتیاط کی بنا پر کچھ بے جا تشدد برتنے لگے ہیں مگر شریعت نے ان دونوں اوقات کی کوئی ایسی حدبندی نہیں کی ہے جس سے چند سیکنڈ یا چند منٹ اِدھر اُدھر ہو جانے سے آدمی کا روزہ خراب ہو جاتا ہو۔ سحر میں سیاہئ شب سے سپیدۂ سحر کا نمودار ہونا اچھی خاصی گنجائش اپنے اندر رکھتا ہے اور ایک شخص کے لیے یہ بالکل صحیح ہے کہ اگر عین طلوعِ فجر کے وقت اس کی آنکھ کھلی ہو تو وہ جلدی سے اٹھ کر کچھ کھا پی لے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی شخص سحری کھا رہا ہو اور اذان کی آواز آجائے تو فوراً نہ چھوڑ دے، بلکہ اپنی حاجت بھر کھا پی لے۔"

اس عبارت پر جو مختلف اعتراضات کیے گئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اس عبارت کا

مضمون حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ کے خلاف ہے نیز یہ کہ اس میں حدیث کا مفہوم غلط سمجھا گیا ہے اور اس سے غلط استدلال کیا گیا ہے، کیونکہ اس حدیث میں دراصل حضرت بلالؓ کی اس اذان کی جانب اشارہ ہے جو طلوعِ فجر کے وقت نہیں بلکہ اس سے بہت پہلے لوگوں کو اٹھانے اور سحری کھانے کے لیے دی جاتی تھی۔ معترضین کا کہنا یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس حدیث کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔

کوئی مسلمان قرآن مجید کے اس ارشاد سے بے خبر نہیں کہ کھانا پینا اُس وقت تک جائز ہے، جب تک سیاہیٔ شب کی دھاری سے سفیدیٔ صبح کی دھاری نمایاں نہ ہو جائے لیکن شفق کی طرح سحری کے خاتمہ وقت کے معاملے میں بھی سلف کے دو گروہ ہیں۔ ان کے مابین اختلاف مشہور اور اکثر کتب میں مذکور ہے بعض کے نزدیک طلوعِ فجر کے آولین آثار پیدا ہوتے ہی کھانا پینا ممنوع ہو جاتا ہے اور بعض کے نزدیک جب تک روشنی نمایاں نہ ہو جائے اس وقت تک گنجائش موجود رہتی ہے۔ یہ اختلاف خود فقہائے حنفیہ میں بھی ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ خود "المسوّٰی" میں فتاویٰ عالمگیری کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں" وفی العالمکیریہ قد اختلفوا فی ان العبرۃ لاول طلوع الفجر اولاستطارتہ وانتشارہ والاول احوط والثانی اوسع والیہ مال اکثر العلماء وفی الانوار ومعنی الصبح ظہور الضوء للناظر وما قبلہ لاحکم لہ" (عالمگیری میں ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا (روزے کے معاملے میں) معتبر طلوعِ فجر کا آولین وقت ہے یا وہ وقت جبکہ فجر کی روشنی ہر طرف پھیل جائے؟ ان میں سے پہلا قول زیادہ مبنی بر احتیاط ہے اور دوسرے میں زیادہ وسعت و سہولت ہے اور اسی کی طرف اکثر علماء مائل ہیں۔ اور انوار میں ہے کہ صبح کے معنی یہ ہیں کہ روشنی دیکھنے والے پر ظاہر ہو اور جو کچھ اس سے پہلے ہے اس پر کوئی حکم نہیں لگتا)۔

اس دوسرے مسلک کی تائید متعدد احادیث سے ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر سُنن نسائی، باب السحور کی ایک روایت یہ ہے: عن زید قلنا لحذیفۃ ای ساعۃ تسحرت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ھو النہار الا ان الشمس لم تطلع (حضرت زید فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت

حذیفہؓ سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کس وقت سحری کرتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ دن چڑھ آتا تھا بس سورج نکل آنے کی کسر باقی رہ جاتی تھی)

اب ابوداؤد کی اس حدیث کو لیجیے جس کا مضمون تفہیم القرآن میں نقل کیا گیا ہے اس حدیث کی مختلف تاویلات کی گئی ہیں۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث میں اذان سے مراد مغرب کی اذان ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد طلوع فجر کی اذان ہے، لیکن اس میں کھانے پینے کی جس رعایت کا ذکر ہے اس سے فائدہ اسی حالت میں اٹھایا جا سکتا ہے جبکہ روزہ رکھنے والے کو خود صبح ہو جانے کا یقین نہ ہو ورنہ اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔ اس حدیث کی ایک تاویل وہ بھی ہے جسے شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں بیان کیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ رمضان میں ایک اذان حضرت بلالؓ طلوعِ فجر سے بہت پہلے لوگوں کو اٹھانے کے لیے دیتے تھے اور دوسری اذان بعد میں طلوعِ فجر کے وقت حضرت ابنِ امِ مکتوم دیتے تھے۔ شاہ صاحبؒ یہ فرماتے ہیں کہ ابوداؤد کی حدیث میں جس اذان کے بعد کھانے پینے کی اجازت ہے یہ حضرت بلالؓ والی اذان ہے جو فجر سے قبل رات ہی کے آخر میں ہوتی تھی۔

شاہ صاحب کے قول سے کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ اس حدیث کی بس یہی صحیح اور قابلِ ترجیح تاویل ہے اور اس کے حق میں کوئی قوی قرینہ موجود ہے۔ دراصل معالم السنن اور مرقات وغیرہ میں یہ تینوں تاویلات موجود تو ہیں (جن میں حجۃ اللہ والی تاویل بھی شامل ہے)، لیکن ان سب کو "قیل" یا "او" کے ساتھ ذکر کر کے چھوڑ دیا گیا ہے اور کسی ایک کو جزم و یقین کے ساتھ اختیار نہیں کیا گیا۔ حق یہ ہے کہ یہ تاویلات بعض اشکالات سے خالی نہیں ہیں اور ان کے بجائے سیدھی سادی اور متبادر تاویل جو مولانا مودودی نے کی ہے وہ نہ صرف اشکالات سے محفوظ ہے، بلکہ ایک دوسری حدیث اس تاویل کی صریح تائید کر رہی ہے۔ وہ حدیث امام احمد نے مسند ابی ہریرہؓ میں صحیح اور متصل سند کے ساتھ نقل کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: اذا سمع احدکم النداء والاناء علی یدہ فلا یضعہ حتی یقضی حاجتہ وکان موذن یوذن اذا بزغ الفجر جب

تم میں سے کوئی اذان ایسی حالت میں سنے کہ برتن اس کے ہاتھ پر ہو تو وہ اسے نہ رکھے جب تک اپنی حاجت اس سے پوری نہ کر لے اور موذن اذان دیتا تھا جب فجر طلوع ہو جاتی تھی)۔ابو داؤد اور احمد کی ان دونوں روایتوں کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں اور دونوں کے شروع کا مضمون یکساں ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دوسری حدیث پہلی کی تفصیل بیان کر رہی ہے۔اس تفصیل و اضافہ سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوگئی کہ حدیث میں جس اذان کے دوران میں کھا پی لینے کی رخصت کا ذکر ہے وہ رات والی اذان نہیں، بلکہ طلوعِ فجر والی اذان ہے جسے بالعموم حضرت ابن ام مکتوم دیا کرتے تھے اور مولانا مودودی کا یہ قول عین مطابقِ حدیث ہے کہ "ایک شخص کے لیے یہ بالکل صحیح ہے کہ اگر عین طلوعِ فجر کے وقت اس کی آنکھ کھلے تو وہ جلدی سے اٹھ کر کچھ کھا پی لے۔" یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ایک تخفیف و تیسیر ہے اور کوئی اللہ کا بندہ اگر اس سے فائدہ اٹھائے تو کسی کی جیب سے کچھ نہیں جاتا۔پھر اس پر دل میں تنگی محسوس کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

رہی یہ بات کہ اس اذان سے مراد بعض بزرگوں نے حضرت بلالؓ والی اذان لی ہے، تو ان بزرگوں کا احترام ہمارے سر آنکھوں پر، لیکن یہ تاویل کسی طرح دل کو نہیں لگتی۔حضرت بلالؓ والی اذان تو ہوتی ہی اس غرض کے لیے تھی کہ لوگ اٹھ کر سحری کھائیں۔اس وقت برتن ہاتھ میں ہونے، اور اس میں سے کھا لینے کی اجازت کا کیا سوال؟ اس وقت تو لوگ اٹھ کر اطمینان کے ساتھ سحری کھاتے تھے۔جلدی سے کچھ کھا لینے کی اجازت کا سوال اگر پیدا ہوتا ہے تو اسی صورت میں ہوتا ہے جبکہ دوسری اذان کے وقت کسی کی آنکھ کھلی ہو، یا کسی نے دیر سے سحری کھانی شروع کی ہو اور دوسری اذان ہو جائے۔

دوسرا اعتراض مولانا مودودی کے خلاف یہ ہے کہ وہ مُشت بھر ڈاڑھی کو مسنون نہیں سمجھتے حالانکہ اس پر اجماعِ امت ہے۔اس اعتراض کا بھی جواب دینے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مودودی کی اصل عبارت سامنے رکھی جائے۔مولانا نے رسائل و مسائل حصہ اول میں لکھا ہے "ڈاڑھی کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مقدار مقرر نہیں کی ہے۔صرف یہ ہدایت فرمائی ہے کہ رکھی جائے۔آپ اگر ڈاڑھی رکھنے میں فاسقین کی وضعوں سے پرہیز کریں اور اتنی ڈاڑھی